علوم السنہ

ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Publisher by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

نظریہ مقاصدِ شریعت کی تفہیم اور عصری تعبیرات

The Understanding of the Theory of Objectives of the Shari'ah and Contemporary Interpretations

Dr. Syed Hamid Ali Bokhari*
Tutor of Shariah & Islamic studies, Allma Iqbal open university, Islamabad

Abstract

The term objectives of Shariah was first used by Imam al-Harameen al-Jawaini (died 478 AH). His book on the principles of jurisprudence Al-Burhan Fi Usul al-Fiqh is an excellent book. In this book, he regularly used the term objectives of Shariah, while another famous book of his, Ghiyath alumam fi -Tiyath al-Zulam, which is known as al-Ghiyathi, has a formal argument on the objectives of Shariah. By the time of Imam Muhammad al-Ghazali, the principles of jurisprudence had taken the status of a permanent knowledge. By combining the concept of masaleh and objectives, Imam al-Ghazali declared the objectives of the Shariah as an important pillar of the principles of jurisprudence from the beginning and reasoned discussion on it. He compiled a list of objectives of Shari'ah which became known among the scholars as Kulyat-E-Khamsa. These objectives elucidate the spirit of Shariah and are thus termed the 'intentions of Shariah.' Over time, jurists have articulated these objectives in various ways. Prominent scholars like Imam Ghizali, Imam al-Shatibi, Izz ibn Abd al-Salam, Ibn Ashur, and Shah Waliullah have listed the 'five objectives' (Kulliyat Khamsah), which include the preservation of religion (Hifz al-Deen), life (Hifz al-Nafs), intellect (Hifz al-Aql), lineage (Hifz al-Nasl), wealth (Hifz al-Mal), and honor (Hifz al-Izz). Later scholars expanded this list, and we have added our scholarly opinion by including the preservation of nobility of Nature (Hifz-e-Makaarim al-Fitrat), social order (Hifz Nazm al-Muashira), and the establishment of a Caliphate based on the Prophetic model (Khilafah Ala Minhaj al-Nubuwwah).The reformation of human beings is possible only when they achieve their goals. When the necessities of life are available and there is a certainty of intellectual and spiritual security, then man determines his priorities in a free and satisfied position, and this is to provide intellectual and spiritual security and peace. It is expediency. Here we mean by expediency we mean the protection of the objectives of Sharia.

Keywords: Sharia's Intents, Nobility of Nature, Obligations, Social Discipline, Presidential Government, Khilafah, Human Rights

* Email of corresponding author: makhdoom92@hotmail.com

تعارف

اللہ ربُّ العزّت نے اپنے بندوں کو جو احکام دیئے ہیں ان سے انسانوں کی بھلائی اور فلاح مقصود ہے۔ اللہ تعالی بے نیاز ہے، اسے انسانوں سے کوئی غرض ہے اور نہ ہی کائنات میں اس قادر مطلق کا کوئی مفاد۔ شریعت کے احکامات انسانوں کے اُخروی اور دنیوی مفادات کی حفاظت کو پیشِ نظر رکھ کر مرحمت فرمائے گئے ہیں، فقہی قاعدہ ہے: الاُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا۔ ہر چیز کا کوئی نا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ امور کے بارے میں قرآن وسنّت میں بتادیا گیا ہے کہ ان سے کیا فائدے ہوں گے جبکہ بعض امور میں غور کرنے سے ان کے فائدے سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان مصالح اور مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا جن کا شارع نے لحاظ رکھا ہے نہایت اہمیت کا حامل امر ہے۔

مقاصدِ شریعت، مصالحِ مرسلہ، اسرارِ شریعت، معانی اور حِکَم جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جانے والا تصور شروع ہی سے موجود رہا ہے۔ مقاصدِ شریعت کا بیان احکامِ شریعت کو باہم مربوط اور واضح اہداف کے حامل نظام کے طور پر سمجھنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ مقاصدِ شریعت میں غور وفکر ان نئے مسائل میں حکمِ شریعت معلوم کرنے میں مددگار ہوتا ہے جن کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔ اگر کبھی بظاہر ایسا معلوم ہو کہ شریعت کا کوئی حکم کسی خاص حالت میں مقاصدِ شریعت کے خلاف نتائج کا حامل نظر آئے تو ایسی صورت میں نیا حکم ایجاد کیا جائے گا جو شریعت کے مقصد کے مطابق ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدینؓ اور ائمہ فقہ سے متعدد ایسے فیصلے منقول ہیں جن میں کسی موجود حکم سے ہٹ کر ایک نیا حکم اختیار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت اور احکامات انسانی فلاح کیلئے نازل فرمائے ہیں اور ان احکامات میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کا کوئی حکم مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا، یہ انسانوں کا کام ہے کہ وہ شریعت کے مقاصد کی معرفت حاصل کریں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔﴾[1]

ترجمہ: سو کیا تم نے یہ خیال کر لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بیکار (وبے مقصد) پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے محض کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔

مخلوقات کے مبنی بر حکمت ہونے کا اظہار یوں فرمایا:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔﴾[3]

اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتیں الوہی نظام کی اقامت اور تنظیم واصلاحِ معاشرہ کیلئے نازل فرمائی ہیں۔ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت اور شریعت کا مقصد اقامت دین، اعلائے کلمۃ الحق اور نظم معاشرہ ہے۔ قرآنِ کریم کی سند ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔﴾[4]

ترجمہ: بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان عدل نازل فرمایا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔

شریعتِ اسلامیہ تمام شرائع میں سے افضل و اعلیٰ اور جامع ہے، اسی لیے اسے تمام شریعتوں کا ناسخ اور بطور دین پسند کیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔﴾[5]

ترجمہ: بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

انبیاء ورُسلِ عظام کی بعثتوں کا مقصد اسی دین کا قیام قرار دیا گیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ۔﴾[6]

ترجمہ: کہ تم (اِسی) دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

ان آیات مبارکہ سے واضح ہوا کہ دینِ اسلام حکمت و مقاصد کیساتھ نازل ہوا۔ اب شارع کے مقاصد کیا ہیں؟ حکمت شریعت کیا ہے؟ مصلحتِ دین کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنا ہمارا موضوع اور مقصد تحقیق ہے اور یہ کام اللہ ربُّ العزت نے اس امت کے علماء وفقہا اور اہل علم کے ذمہ رکھ چھوڑا ہے۔

مقاصد شریعت کا تصور

عزیز الدین ابن عبد السلامؒ (۶۶۰ھ/۱۲۶۲ء) فرماتے ہیں:

"اِتَفَق العُلَمَاء اَنّ اسَاسَ الشَّرِیعَةِ عَلَىٰ مَصَالِح النَّاس۔"[7]

ترجمہ: تمام علماء کا اتفاق ہے کہ شریعت کی بنیاد بندوں کی مصالح پر ہے۔

معتزلہ کا موقف بھی یہی ہے، مگر وہ اچھائی اور برائی کے تعین میں عقل کو کسوٹی قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک شریعت نے تو صرف اس کا تعین کیا ہے[8]۔ ظاہریہ بھی مجموعی لحاظ سے اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں[9]، البتہ جزوی نصوص کے لیے علت یا سبب کے قائل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ قیاس کے طریقہ سے مسائل کا حل معلوم کرنے کے بھی قائل نہیں ہیں اور قانون سازی کے ان مصادر کو حجت بھی تسلیم نہیں کرتے جن پر کوئی نص نہ ہو۔ جمہور علماء اصول اور ائمہ فقہ کا مسلک یہ ہے کہ شرعی احکام اجمالاً اور تفصیلاً بندوں کی مصلحتوں پر مبنی ہیں، اور نصوص میں اصل تعلیل ہے۔ اس بنیاد پر تمام اسلامی مذاہب کی یہ متفقہ رائے ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا مقصد بندوں کی مصلحتوں کا حصول ہے۔

مقصد کی تعریف میں علماء کی مختلف آراء ہیں:

عزّبن عبد السلامؒ مقاصد شریعت کے بیان میں رقمطراز ہیں:

"شریعت کا مقصد مصالح کا حصول اور مفاسد کو رفع کرنا ہے"۔[10]

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

اَنَّ مَقَاصِد الشَّرِیعَة هِي الغَایَات الَّتِي وَضَعَت الشَّرِیعَة لِأَجَل تَحقِیقِهَا لِمَصلِحَة العِبَاد۔

ترجمہ: مقاصد شریعت سے مراد بندوں کے مصالح کیلئے شریعت کے مقرر کردہ اہداف ہیں۔[11]

ابن عاشور نے مقصد شریعت کی تعریف "حِفظُ الفِطرَة" کی ہے۔[12]

امام غزالیؒ (۱۱۱۱ء) مصلحت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

"الأَحکَام الشَّرعِیَّةِ بِمَا تَتَضَمّنهُ وَتفضي إِلَیهِ من جَلب مَصلحَة أَو دَفع مَفسَدَة۔"

ترجمہ: مصلحت ضرر کو دور کرنے اور منافع کے حصول کا نام ہے۔[13]

شمس الدّین ابن القیّم (۷۵۱ھ) مصلحت کے بارے میں کہتے ہیں:

"بِناء الشَّرِیعَةِ عَلیٰ الحِکمَة وَ مَصَالح النَّاس بِالمَعَاش ،کُل الشَرِیعَة عِبَارَة بِالعَدلِ وَالرَّحمَة وَالکَفَالَةِ وَالمَصلحَة وَالحِکمَة۔"[14]

ترجمہ: شریعت کی بنیاد حکمتوں پر اور معاش کے بارے میں بندوں کی مصلحتوں پر ہے۔ ساری شریعت عدل، رحمت و کفالت، مصلحت و حکمت سے عبارت ہے۔

انسانوں کی صلاح تب ہی ممکن ہے جب انہیں ان کے مقاصد حاصل ہوں۔ مصلحت سے ہماری مراد شریعت کے مقاصد کی حفاظت ہے۔ فقہاء کے نزدیک شریعت کے پانچ مقاصد ہیں:

۱۔ حفظِ دین ۲۔ حفظِ نفس ۳۔ حفظِ عقل ۴۔ حفظِ نسل ۵۔ حفظِ مال

ان پانچ مقاصد کے ضمن میں جو چیز بھی آئے گی وہ مصلحت کہلائے گی، ان مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کا ضیاع خرابی اور فساد کا ہوگا اور اس خرابی کو دور کرنا مصلحت ہے۔ شاہ ولی اللہ دھلوی (۱۷۶۳ء) نے ان پانچ مقاصد کی فہرست میں اضافہ کیا ہے۔ شاہ صاحب نے کفالتِ عامہ، ملکی دفاع، ترقیاتی کام، تعلیم و ترویج دین اور جزئیاتِ نظام مملکت کو بھی مقاصد شریعت قرار دیا ہے۔[15]

مقاصد شریعت کی اصطلاح کا تاریخی پس منظر

مقاصدِ شریعت کی اصطلاح سب سے پہلے امام الحرمین الجوینیؒ (وفات ۱۰۸۵ء/۴۷۸ھ) نے استعمال کی۔ اصولِ فقہ پر ان کی کتاب البرھان فی اصول الفقہ ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے مقاصدِ شریعت کی اصطلاح کا باقاعدہ استعمال کیا اور مقاصد و حکمت پر بحث کی جبکہ آپکی ایک اور شہرہ آفاق تصنیف غیاث الامم فی التیاث الظلم جو الغیاثی کے نام سے مشہور ہے اس میں مقاصد شریعت پر باضابطہ مدلل بحث کی ہے۔ امام جوینیؒ لکھتے ہیں:

"حق کے متلاشی اور شریعت کی طرف بلانے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مذاہب اور مسالک کے اختلاف کے باوجود انسانوں سے شریعت کا مطلوب یہ رہا ہے کہ وہ تقویٰ کو مضبوط پکڑیں۔"[16]

امام جوینیؒ سے قبل فُقہاء کے ہاں اس عنوان پر واضح بحث نہیں ملتی۔ان کے زمانے میں نظمِ مملکت کے سلسلے میں حکومت کیلئے ایک مسئلہ درپیش تھا کہ اگر حکمران ملک کو خطرے میں دیکھ رہا ہو مگر خزانہ خالی ہو تو دفاعی اغراض کے لیے اہلِ ثروت سے عُشر و زکوٰۃ کے ماسوا مزید مال لیا جاسکتا ہے کہ نہیں۔امام جوینیؒ کے نزدیک کلی مصالح کا تحفُظ ضروری ہے،اس کے لیے افراد کے مال و املاک میں سے ان کی مرضی کے خلاف مزید محاصل وصول کئے جاسکتے ہیں۔اسی دلیل سے انھوں نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور فقر و فاقہ دور کرنے جیسے مقاصد کے لیے بھی مزید محاصل وصول کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے۔[17]

آپ مزید لکھتے ہیں:

"میں شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتا ہوں اور جو کچھ دیکھ رہا ہوں اور جو سمجھ میں آتا ہے،اس سے نتیجہ اخذ کرتا ہوں۔ان نئے حالات میں فیصلہ کرنے کا یہی طریقہ ہے جن کے بارے میں علماء کے پہلے سے تیار کردہ جواب موجود نہ ہوں"۔[18]

امام جوینیؒ کے بعد آپ کے شاگرد ابو حامد امام محمد الغزالیؒ(وفات ۵۰۵ھ /۱۱۱۱ء) نے مقاصدِ شریعت کو باضابطہ موضوع تحقیق بنایا اور ایک مبسوط کتاب المستصفیٰ فی اصول الفقہ تالیف کی۔امام غزالی لکھتے ہیں:

"مصلحت سے ہماری مراد مقصودِ شریعت کی محافظت ہے،اور شریعت کا مقصد خلقِ خدا کے سلسلہ میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے:وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ہر وہ چیز جو ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو مصلحت شمار ہو گی اور ہر وہ چیز جو ان بنیادوں کے لیے خطرہ ہو،مفسد شمار ہو گی جسے دور کرنا مصلحت قرار پائے گا۔"[19]

امام غزالیؒ کے زمانے تک اصولِ فقہ نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔مصالح اور مقاصد کے تصور کو یکجا کر کے امام غزالیؒ نے مقاصدِ شریعت کو آغاز ہی سے اصولِ فقہ کا ایک اہم ستون قرار دیا اور اس پر مدلّل بحث کی۔آپ نے مقاصدِ شریعت کی ایک فہرست مرتب کی جو علماء میں کلیات خمسہ کے نام سے معروف ہے۔آپ لکھتے ہیں:

"ہم نے مصلحت کا معیار مقاصدِ شریعت کے تحفُظ پر رکھا ہے اور مقاصدِ شریعت کو کتاب، سُنّت اور اجماع کے ذریعے جانا جاتا ہے۔چنانچہ کوئی ایسی مصلحت جس کا تعلق کسی ایسے مقصد کی حفاظت سے نہ ہو جسے کتاب، سُنّت اور اجماع سے سمجھا گیا ہو اور جو ایسی نامانوس ہو جو شریعت سے مناسبت نہ رکھتی ہو، تو ایسی مصلحت باطل ہے۔اسے رد کیا جائے گا اور جو اس کی پیروی کرے وہ بدعت کا مرتکب قرار پائے گا۔"[20]

مقاصدِ شریعت کی کتاب و سنت میں کوئی باضابطہ فہرست نہیں ملتی لیکن مقاصدِ شریعت کے معانی مقصود ہونے کا دعویٰ ایک نہیں بلکہ کثیر دلائل پر مبنی ہے جو کتاب و سُنّت میں پائے جاتے ہیں۔دِلالات اور دیگر حالات اور اندازے سامنے رکھ کر تحقیق کرنے کے بعد کلیات خمسہ ترتیب دیئے گئے ہیں۔اسی وضاحت کیساتھ امام غزالی ان کو مصالحِ مرسلہ کہتے ہیں۔امام غزالیؒ کی بیان کردہ مصلحتِ مرسلہ کو امام شاطبی مقاصدِ شریعت کے ہم معنی قرار دیتے ہیں،اسکا تصور امام مالکؒ(۱۷۹ھ /۷۹۶ء) کے ہاں بھی موجود ہے[21]

اور ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کے ہاں استحسان کا تصور موجود تھا جو کہ مقاصد شریعت اور مصلحتِ مرسلہ کا مرادف ہے۔[22]

احکام شرعیہ اور اسلامی قانون سازی میں مصالح مرسلہ اور استحسان مقاصدِ شریعت کی طرح موثر رہے ہیں اور بعینہ مقاصد شریعت کی اہمیت کے حامل ہیں یعنی نص کی غیر موجودگی میں حکم تک پہنچنے یا موجود حکم سے گریز کرکے دوسرا حکم اختیار کرنے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ گویا تینوں تصورات بنیادی طور پر ایک ہی چیز ہیں جسے فقہاء نے اپنے اپنے نام دیئے ہیں۔ امام شافعیؒ کا نظریہ بظاہر مختلف ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو آپ بھی قیاس کی بنیاد اکثر ان حکمتوں اور مقاصد پر رکھتے ہیں جو اس حکم کا سبب بنے جن پر قیاس کیا جارہا ہوتا ہے۔ در حقیقت کسی نہ کسی شکل میں مصالحِ عامہ اور مقاصدِ شریعت کے فہم کو نئے مسائل میں احکام شریعت کی دریافت میں ہمیشہ کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ فقہانے اصطلاحات اپنی اپنی استعمال کی ہیں لیکن در حقیقت اسلوب اور منہج اکثر مقاصد شریعہ کا ہی اختیار کیا گیا ہے۔ ابنِ تیمیہؒ مقاصدِ شریعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”بعض لوگ مصالحِ مرسلہ کو جان ومال، عزت و آبرو، عقل اور دین کے تحفظ میں محصور کر دیتے ہیں مگر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مصالح مرسلہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کئے جائیں اور مضرتیں دور کی جائیں۔ جن حضرات نے ان امور سے متعلق رفع مضرت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ مصالحِ مرسلہ کی دو قسموں میں سے صرف ایک پر مشتمل ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی“۔[23]

مقاصد شریعت کے حصول کی تدریجی تقسیم

مقاصدِ شریعت کو مکلفین کی ذاتی قوت کے اعتبار سے ضروریات، حاجیات، تحسینات اور مباحات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابن حاجبؒ، قرافیؒ، شاطبیؒ اور امام غزالیؒ نے مقاصدِ ضروریہ کی مثال حفظِ دین، حفظِ جان، حفظِ مال اور حفظِ نسب سے دی ہے۔ قرافیؒ اور ابن تیمیہؒ نے عزت و آبرو کے تحفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ابن عاشورؒ نے آبرو کے تحفظ کو مقاصدِ ضروریہ کے تحت شمار نہیں کیا بلکہ اسے مقاصدِ حاجیہ میں ذکر کیا ہے۔[24]

ا۔ مقاصدِ ضروریہ: وہ امور جو دین اور دنیا کے مصالح کے قیام کے لیے ضروری ہیں اور اگر وہ مقصد پورا نہ ہو سکے تو اس سے دنیا کی مصلحتیں صحیح طور پر پوری نہیں ہو سکتیں، بلکہ پوری زندگی میں بگاڑ اور خرابی رونما ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ان مقاصد کی عدم دستیابی سے دین و دنیا کا فساد پیدا ہوتا ہے اور اخروی نجات بھی ناممکن ہو جاتی ہے۔

ب۔ مقاصدِ حاجیہ: وہ مقاصد جو مکلّفین کی زندگی سے حرج اور تنگی کو دور کرتے ہیں۔ ان کا اعتبار دین میں تنگی اور مشقت دور کرنے اور احکام میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے، مقاصد حاجیہ مقاصد ضروریہ کی تکمیل میں معاونت کیلئے ہیں۔

عبادات میں اس کی مثالیں: بیماری یا سفر میں جو مشقت ہوتی ہے اسکی وجہ سے عبادات میں رخصتیں مثلاً: مریض اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت، مسافر کو چار رکعت کی بجائے دو رکعت کی ادائیگی کی رخصت، پانی پر عدم قدرت کی صورت میں تیمم کی اجازت، جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت وغیرہ۔

عادات میں اس کی مثالیں: مثلاً شکار اور پاکیزہ حلال کھانے، مشروبات، مکان، سواری اور اس کی طرح کی دیگر اشیاء۔

معاملات میں مثالیں: مثلاً قرض کالین دین، باغبانی، بیع سَلم ودیگر تمام معاملات جن پر مقاصدِ ضروریہ کی حفاظت کا مدار نہیں ہے۔

ج۔مقاصدِ تحسینیہ: وہ چیزیں جو عادات میں حسن پیدا کرتی ہیں اور ان اشیاء سے اجتناب دلاتی ہیں جن سے فطرتِ انسانی نفرت کرتی ہے، انہیں ہم مکارم اخلاق کہتے ہیں۔ مقاصد تحسینیہ مقاصد ضروریہ اور حاجیہ کی تکمیل کرتے ہیں اور ان میں پسندیدگی اور حسن پیدا کرتے ہیں۔

عبادات میں اس کی مثالیں: نجاست کو دور کرنا اور طہارت کی جملہ اقسام کو حاصل کرنا، قابلِ ستر حصوں کو ڈھانپنا، لباس و مکان میں زینت اختیار کرنا، صدقات ونوافل اور سلوک واحسان کے ذریعہ قرب الٰہی کا حصول تحسینیاتِ تعبدی ہیں۔

عادات میں اس کی مثالیں: کھانے پینے کے آداب، شخصیت سازی پر توجہ، اسراف اور بخل سے اجتناب۔

معاملات میں مثالیں: زائد پانی یا گھاس کو فروخت کرنے کی ممانعت، اپنے مسلمان بھائی کی خرید پر خرید کرنے کی ممانعت، اپنی خواہشات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا ہے۔

د۔مباحات: وہ امور جو انسان کی اخلاقیات اور دینی اقدار پر منفی طور پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں۔ عموماً ایسی چیزوں کا تعلق جاہ و منصب کے اظہار، معاشرتی عرف کی ترویج اور قبائلی روایات کا اظہار ہوتا ہے۔ ان امور کا تعلق سیاسیات اور بین الاقوامی و بین القبائلی روایات سے ہے۔ دین میں بعض معاشرتی امور میں رخصت دی گئی ہے جو وقت، حالات کے مطابق جائز انسانی خواہشات کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں۔ قانون سازی کی بنیاد ان امور کلیہ پر ہے۔

مقاصدِ شریعت کیا ہیں:

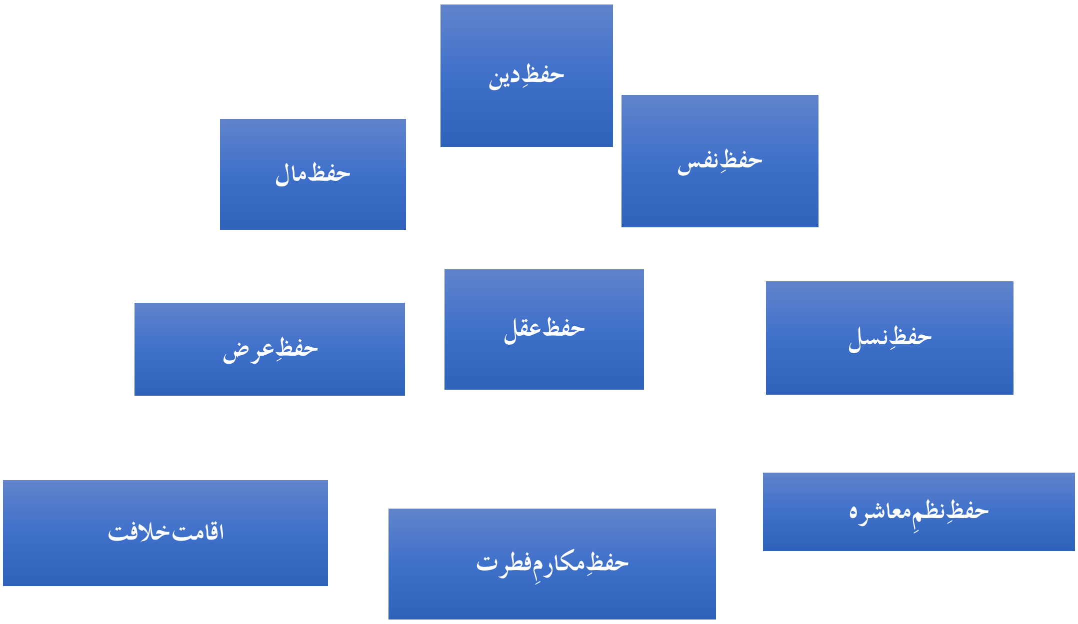

ا۔حفظِ دین

دین کی تعریف:اللہ تعالیٰ کا وہ قانون جو عقل سلیم کے حامل افراد کو ان کے آزادانہ اختیار کے ذریعے جان کی اصلاح اور انجام کی فلاح کی طرف لے جاتا ہے۔[25]

ابن منظور نے لسان العرب میں دین کے اصطلاحی معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

"من سَنَّ االله من الدّين للعباد وامر به"۔[26]

ترجمہ:بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور بندوں کو اس پر چلنے کا حکم دیا(جیسے نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ اور جملہ اعمال صالحہ)۔

اسلامی ممالک میں دین کے مفہوم میں غلط فہمی نے بد ترین نتائج پیدا کیے ہیں۔موئثر و مقتدر رجال معاشرہ سمیت اکثر افراد معاشرہ کے ایمان کا تعلق عمل سے کٹ گیا ہے اور قول و فعل کے تضاد سے دین کی تعبیر و تشریح کرنے والے حضرات پر سے عوام کا اعتماد کمزور پڑ گیا ہے،حالانکہ دین ایمان اور عمل دونوں کے اتحاد کا نام ہے اور یہی دین کامل ہوتا ہے۔اس کا تقاضا ہے کہ قول و فعل میں مطابقت ہو اور اللہ کے ہاں کامل دین ہی مقبول ہے۔دین انسانی زندگی کے لیے دنیا اور آخرت دونوں لحاظ سے ضروری ہے۔انسان اس سے جتنا چاہے کنارہ کشی اختیار کرے،آخر اسی کی طرف لوٹے گا۔دین کے تحفظ کیلئے شریعت کے دو مناہج ہیں جن میں ایجابی و سلبی ہر دو پہلو پر راہنمائی موجود ہے۔ایجابی پہلو کا تقاضا ہے کہ ایمان درست ہو۔دین اقرار و عمل کا نام ہے اس حوالے سے ایمانِ کامل کیلئے تینوں چیزیں ضروری ہیں،عمل،اقرار،تصدیق۔[27]

ایجابی پہلو: دین کے ایجابی پہلو کا تعلق عقائد سے ہے جس میں شہادت توحید و رسالت کے ساتھ رسولوں پر ایمان،آسمانی کتب ،ملائکہ ،تقدیرِ خیر و شر ،آخرت،حیات بعد الموت اور حشر پر ایمان لانا ایمان کا بنیادی جزو اور ان پر ایمان و یقین رکھنا دین کی اصل ہے۔ان امور کا اقرار اور دل سے اِن کی تصدیق ایمان کیلئے ضروری ہے۔ارکان اسلام جن میں نماز،زکوۃ،حج اور روزہ اور جہاد شامل ہیں ان پر عمل کرنا اور یقین رکھنا بھی لازمی ہے۔دین کا یہ پہلو اخلاقیات،عبادات اور روحانیات پر محیط ہے۔

سلبی پہلو: دین کے تحفظ کا سلبی پہلو جہاد ہے اللہ کی راہ میں جان و مال اور تبلیغ و تعلیم سے جہاد فرض ہے اور یہ وہ رکن ہے جو دین اسلام کی ترویج،تحفظ،تعمیر اور تطہیر کا بے مثل ذریعہ ہے۔جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق،کمزور کی مدد ہے۔تطہیر و تخلیصِ دین کیلئے مرتد ،زندیق،گستاخان رسول ﷺ کا قتل[28]،دین میں بدعت پیدا کرنے والوں کی گوشمالی،بدعتیوں اور جادوگروں کو سزا دینے کا حکم شامل ہیں۔[29]گناہوں کی حرمت،گناہ کے ارتکاب پر حدود و تعزیرات کے نفاذ کا حکم ہے۔دین کی حفاظت کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے جابجا احکامات ہیں۔بدعات کی اشاعت کی سزا اور نااہل مفتی کو فتویٰ[30] سے باز رکھنے کے احکامات حفظ دین میں شامل ہیں۔

۲۔حفظِ نفس

انسانی جان کی بقاء اور وجود کے لیے کھانا، لباس، مکان اور شادی کی ترغیب جیسے احکام ہیں۔ اسلام نے حیات انسانی کے تحفظ کا آغاز رحم مادر سے شروع کیا اور جنین کے احکامات و حقوق بیان کرکے انسان کی جان کی تکریم کی تعلیم دی۔

حفاظتِ نفس کے لیے قصاص[31]، حدود، دیت، کفارہ، میراث سے محرومی اور وصیت سے محرومی، رحم مادر میں نطفے کی حفاظت، احکام جنین، جان یا اعضاء پر زیادتی کی حرمت، ناحق قتل پر سزا، خودکشی کی حرمت کیساتھ جان کی حفاظت کے جملہ احکام بیان کیے ہیں۔ اسلام نے انسانی زندگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ اس کے لیے اُس نے ایسے قوانین دیئے ہیں جو زندگی کے تمام مراحل میں انسان کے تمام مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور ہر قسم کی زیادتی سے اسے بچاتے ہیں۔ اسلام نے زیادتی کرنے والوں کو روکنے اور غلطی پر سزا دینے کے لیے قانون متعین کیے ہیں۔ زیادتی کو روکنے کے لیے کبھی دنیوی سزا تجویز کی اور کبھی آخرت کے عذاب کی وعید سنائی۔

۳۔حفظِ عقل

عقل ہی وہ واحد خصوصیت ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز و مکرّم کرتی ہے۔ عقل وسائلِ معرفت کے دائروں میں سے ایک ہے۔ عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ مخلوق کیلئے علم کے تین اسباب ہیں:

ا۔حواس خمسہ ۲۔ سچی خبر ۳۔ عقل۔

حواس میں ہر حاسہ اپنے دائرے کے اندر رہ کر کام کرتا ہے۔ اس کی صلاحیت محدود ہوتی ہے اس لیے کسی بھی حاسے سے اس کے دائرہ سے بڑھ کر مزید کی طلب لغو ہوگی۔ سچی خبر سے مراد خبر متواتر اور وحی والہام ہے۔ عقل کے ذریعے سے بدیہی طور پر جو بات ثابت ہوتی ہے وہ علم ضروری ہے، مثلاً کل جزو سے بڑا ہوتا ہے، جو استدلال سے ثابت ہو وہ علم اکتسابی ہوتا ہے۔[32] عقل کی بقاء اور وجود کیلئے کائنات میں تدبر اور غور وفکر کا حکم دیا گیا ہے اور تعلیم کو واجب قرار دیا۔ عقل کی حفاظت کے لیے شراب اور نشہ آور اشیاء کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ شراب کی حد مقرر کی ہے اور غلط عقائد و نظریات اور خرافات سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کے ذریعے انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز کیا ہے اور ایسے قوانین بنائے ہیں جو عقل کو کمزور یا مختل ہونے سے بچانے کے ضامن ہیں۔ وسائلِ معرفت میں سب سے تنگ دائرہ حواس کا ہے اس کے بعد عقل کا دائرہ ہے اور وحی کا دائرہ سب سے وسیع اور جامع ہے۔ ان میں ہر دائرہ بلا تعارض دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ ان کی مقررہ حدود یا ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں غلط فہمی کے نتیجے میں اعتقادی، فکری اور اخلاقی مفاسد جنم لیتے ہیں۔ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تناقض۔ وحی عقل پر حاکم ہے، لیکن اس پر اعتماد بھی کرتی ہے۔ اسی طرح عقل حواس پر حاکم ہے اور ان پر اعتماد بھی کرتی ہے۔ معاشرے کی عقل و فہم کی حفاظت کیلئے اسلام نے تعلیم وتربیت کا نظام دیا اور منشیات اور مضر عقل اشیاء کی کاشت وصناعی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۴۔ حفظِ نسل

حفظ نسل کیلئے نظامِ نکاح اسلام کا عطا کردہ بہترین نظام ہے جس میں نکاح، طلاق، اولاد کے حقوق اور وراثت کے احکامات بڑی جامعیت سے قرآن و سنت میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے وجود اور بقاء کے لیے بذریعہ نکاح نسل بڑھانے کی ترغیب دی ہے، نسب کے ذریعے قبائل بنائے تاکہ انسانوں کی نسل و نسب محفوظ رہے۔ حد زنا اور حد قذف مقرر کی ہے، بلاعذر ضبط ولادت کو ممنوع کیا اور بچوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے۔ علماء نے حفظ عزّت کو حفظ نسل میں شامل کیا ہے۔ اسلام نے گالی گلوچ، تحقیر و تفریق اور طبقاتی تقسیم کی بیخ کنی کی ہے اور ہر انسان کی عزّتِ نفس کے تحفظ کو یقینی بنایا ہے۔ نسلِ انسانی کے تسلسل اور استمرار کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ نکاح میں مرد و خاتون کی عزت و وقار اور جان و مال کی ایک دوسرے پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے، نکاح کے طریقے کے تحفظ کے لیے زنا اور اس کے محرکات کو حرام قرار دیا۔ جو کوئی اس طریقے کی حرمت کو پامال کر کے کسی اور طریقے پر چل نکلے، اس کے لیے سزائیں مقرر کیں جن میں رحم دلی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ الغرض اسلام نے نسلِ انسانی کے تحفظ کے لیے قانونی حدود مقرر کر دی ہیں۔ شریعت نے نسل انسانی کے فروغ کیلئے باقاعدہ نظام عطا کیا جو بقائے نسل انسانی کی ضمانت ہے۔ جو معاشرے بقائے نسل انسانی کیخلاف افعال کے مرتکب ہوئے وہ دنیا کیلئے نشان عبرت بنا دیے گئے ۔ قوم لوط کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے فطرت انسانی کیخلاف ہم جنس پرستی کو فروغ دیا۔ آج قوم لوط انسانیت کیلئے نشانِ عبرت ہے جن کی کوئی نسل باقی نہیں کیونکہ اس قوم نے نسل انسانی کی ترویج میں رکاوٹ بن کر قوانین فطرت کیخلاف عمل کیا تھا۔ آج کے دور میں بھی بعض انسانیت دشمن لوگ اور اقوام نسلِ انسانی کیخلاف ہم جنس پرستی جیسے افعال کو رواج دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور نکاح کی بجائے زنا کو عام کر رہے ہیں جس کا نتیجہ وبائی امراض، مہلک وباؤں اور بے راہ روی کے ساتھ ساتھ معاشرتی نظم میں بگاڑ کی صورت سامنے آ رہا ہے۔ انسانیت کے اجتماعی نقصان سے بچنے کیلئے مذاہب عالم کے نمائندگان اور حقوق انسانی کے علمبرداروں کو ایسی اقوام اور افراد کیخلاف ٹھوس اقدامات کرنے ہونگے تاکہ نسلِ انسانی کو غیر فطری عوامل کے شر سے بچایا جاسکے۔

۵۔ حفظ مال

اللہ تعالیٰ نے رزق کے لیے کوشش کو واجب ٹھہرایا ہے، خرید و فروخت، بنجر زمینوں کو آباد کرنے اور زمین میں مدفون خزانوں کو ڈھونڈنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ مال کی حفاظت کے لیے چوری کی حد مقرر کی گئی، ملاوٹ کو حرام ٹھہرایا گیا۔ ناجائز طریقوں سے لوگوں کے مال ہتھیانے یا کسی کے مال ضائع کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مال زندگی کے قیام کا باعث ہے اور انسانی وجود کی ضروریات میں سے اہم ضرورت ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت نے اکتسابِ مال، ملکیت، انفاق اور مال کی افزائش کے قواعد و احکام مقرر کیے ہیں۔ اکتسابِ مال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام ذرائع آمدنی کی نشاندہی فرمادی اور حلال ذرائع سے مال کمانے کا حکم دیا ہے۔ جب کوئی شخص حلال ذرائع سے روزی کمانے کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اس کی رفتار کی تحدید نہیں کی، بلکہ اسے یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ جس رفتار سے چاہے، آگے بڑھ سکتا ہے۔ نیز اسے اپنی محنت اور طاقت کے ثمرات کی ملکیت کا حق دیا ہے، البتہ اس پر واجب کر دیا کہ جو لوگ اس سفر میں حالات کے نامساعد ہونے یا قسمت کی نارسائی کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں ان کے ساتھ تعاون کرنا اس کیلئے واجب قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے مال کے ذریعے دین اور وطن کی حمایت میں جہاد کا حکم دیا ہے۔ سرکاری ٹیکس، محصولات، صدقات، زکوٰۃ، عطیات یہ سب ذرائع معاشرے میں معاشی مساوات اور مال کے تحفظ کیلئے نافذ کیے جاتے ہیں، انسان کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ اپنے مال کو معاشرتی دائرے میں گردش کرنے سے روک کر بے مصرف پڑا رہنے دے۔ کیونکہ مال کی گردش معاشرے کا حق ہے۔ اگر کوئی فرد خود گردش زر سے مستغنی ہے، تب بھی اسے یہ حق نہیں کہ معاشرتی دائرے میں گردشِ زر کو روک کر اپنے مال کو بے کار چھوڑ دے۔ اسلام نے عاملین پیدائش کو اللہ کی ملکیت قرار دے کر کسی بھی انسان کو اس کا کلّی مالک نہیں بنایا۔ شریعت کا مقصد افراد معاشرہ کی فلاح اور انسانیت کی بقا ہے جس میں مال اور معاشی عاملین پیدائش کا تحفظ ضروری قرار دیا۔ مال کے سلسلے میں گردشِ زر شارع کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔ جس کا حصول یقینی بنانے کے لیے اسلام نے سرمائے کی ذخیرہ اندوزی سود، جوئے اور اشیائے صرف کی ذخیرہ اندوزی حرام قرار دی ہے۔

جوئے سے دوسروں کے مال پر بلا محنت قبضہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ شریعت نے اس امر کو حرام قرار دیا ہے تا کہ سرمایہ صرف اغنیاء و مقتدر طبقات میں گردش نہ کرتا رہے اور فقراء و مساکین تک بھی پہنچ سکے۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر اسلام نے اقتصاد کے قوانین دیے ہیں جن کے تحت باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے پر پابندی عائد کی گئی ہے اور گردش کے عظیم مقصد کے حصول کے لیے لوگوں کے درمیان مختلف اور متنوع مالی معاملات کو رواج دیا ہے۔ اسلام کی نظر میں چوں کہ مال کو احترام حاصل ہے، اس لیے اس کے خلاف جرائم کو روکنے کے لیے ڈاکہ، چوری، غصب اور ناجائز ذرائع سے لوگوں کے مال کھانے کی ممانعت کی ہے۔ ان تمام اقدامات کا مقصد مال کا تحفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے مقدر میں کامیابی اور فلاح تب ہی لکھی جاسکتی ہے جب وہ اسلام کہ طرف رجوع کریں اور ایمان و عمل، قول و فعل میں اسے مضبوطی سے تھام لیں۔

درج بالا امور وہ تھے جو فقہاء نے اس سے قبل بیان کیے اور انہی مقاصد پر کلام کیا۔ اکثر فقہاء نے ان امور پنجگانہ کو جنہیں کلیات خمسہ بھی کہا جاتا ہے مقاصدِ شریعت قرار دیا۔ قرافیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ نے ان میں حفظ عرض یعنی عزت کی حفاظت کو بھی شامل کیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان میں عدالتوں کے قیام، امور دفاع، کفالت عامہ اور ملکی داخلی و خارجی امور کو بھی شامل کیا ہے جس کی تفصیل آپکی تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہماری تحقیق میں درج ذیل امور بھی مقاصد شریعت میں شامل ہیں جن پر استدلال بڑے واضح اور کثیر دلائل کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اختصار سے ان امور کا تذکرہ کرتے ہیں جن کے متعلق قرآن و سنت میں تاکید اور تدبیر ارشاد فرمائی گئی ہے۔

نظریہ مقاصدِ شریعت کی عصری تعبیرات:

نظریہ مقاصد شریعت میں کلیات خمسہ پر بے شمار محققین نے گراں قدر تحقیقات پیش کی ہیں جو بلاشبہ فقہ، اصول فقہ، شریعہ اور قانون سازی میں دنیا کے کئی ممالک میں انفرادی، ادارتی و اجتماعی سطح پر خضرِ راہ ثابت ہو رہی ہیں۔ متاخرین میں طاہر ابن عاشور، شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے مقاصد شریعت میں کئی اضافہ جات پیش کیے۔ ان اضافہ جات پر ردّ و قبول کی ابحاث جاری ہیں اور موافقت و اختلاف اور متبادل و متقابل نظریات پیش کیے جا رہے ہیں اور پیش کیے جاتے رہیں گے۔ تحقیق میں الوہی و نبوی تعلیم و خبر یعنی قرآنِ کریم و سنت محمّد الرّسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نظریہ حتمی تصور نہیں

ہوتا۔ علماء و محققین اپنی اپنی فہم و تدبیر، فقہ واستنباط کے مطابق اپنے اجتہادات و آراء دیگر محققین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ علم و تحقیق کا تسلسل جاری و ساری رہے۔ فقہ المقاصد اور فقہ النوازل کے مطالعے اور تحقیق کے دوران راقم نے درج ذیل امور ثلاثہ کو مقاصد شریعت کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ ان امور پر وسیع و وقیع دلائل، آثار، ضوابط اور اسلامی شورائی ترجیحات میں ان کی اہمیت واضح اور مسلّم ہے۔ ہم ان امور کو جدید مقاصد ثلاثہ کہہ سکتے ہیں جو انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر محیط ہیں۔ ہم ان مقاصد کو کلیات خمسہ میں بیان کردہ مقاصدِ شریعت کے تسلسل میں پیش کرتے ہیں تاکہ مقاصد شریعت پر متقدمین علماء کے فیضِ علم سے متصف و مستفیض رہا جائے اور اُن کے علمی فیوضات و برکات شاملِ حال رہیں۔

۶۔ حفظ مکارم فطرت

مکارم فطرت سے مراد وہ امور جو فطرت کو پاکیزہ، شاداب اور حسین بناتے ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ بحیثیت انسان ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ معاشرے اور ماحول کے تحفظ، اس کے حسن وارتقاء میں اپنا کردار ادا کرے۔ شریعت اسلام ایک جامع شریعت ہے جس میں کائنات میں موجود ہر شے کو اہمیت حاصل ہے۔ انسانیت کی بقاء کیلئے اللہ تعالیٰ نے یا ایّھاالناسّ اور یا ایّھاالانسان کے الفاظ سے انسانیت کو مخاطب فرمایا اور متفقہ انسانی اصولوں کی طرف دعوت دی جن میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز عبث پیدا نہیں فرمائی بلکہ بامقصد اور انسانیت کیلئے مفید پیدا کی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز کو دیکھے، پرکھے لیکن اسے برباد نہ کرے اور نہ ہی اس کے راستے میں رکاوٹ بنے۔

قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت فطرتِ انسانی کا واضح تعین کرتی ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِى فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔﴾ (33)

ترجمہ: پس آپ اپنا رخ اللہ کی اطاعت کے لیے کامل یکسُوئی کے ساتھ قائم رکھیں۔ اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اسے اختیار کرلو، اللہ کی پیدا کردہ سرِشت میں تبدیلی نہیں ہوگی، یہ دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ (ان حقیقتوں کو) نہیں جانتے۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے بندوں کو جس فعل کے بھی کرنے کا حکم دیا ہے فطرت سلیمہ اس فعل کے کرنے کی طرف ایک فطری رجحان اپنے اندر محسوس کرتی ہے اور جس فعل کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں روک دیا ہے فطرت سلیمہ بھی اس فعل سے اباحت محسوس کرتی ہے۔ احکام الٰہی فطرت انسانی کے مطابق تو ہیں، لیکن فطرت انسانی سے ان کا تعین نہیں ہوسکتا۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

حَدَّثَنَاعَبْدُالرَّحْمَن أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْهُ "فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِکَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔(34)

ترجمہ: عبد الرحمن حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور بچے دیتا ہے کیا تم دیکھتے ہو کوئی عضو اس کا کٹا ہوا؟ پھر ابو ہریرہؓ اس آیت کی تلاوت کرتے (اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کے دین میں تبدیلی نہیں ہے یہ ہی سیدھا دین ہے)۔

امام ابن قیم لکھتے ہیں:

لَيسَ المُرَادُ بِقَولِه 'يُولَدُ عَلى الفِطرَة' أنّه خَرَجَ مِن بَطنِ أُمِّه بِعِلم الدِّينِ لِأَنَّ اللهَ تَعالىٰ يَقُولُ ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ وَلٰكِنَّ المُرَادُ أن فِطرَتَهُ مُقتَضِيةُ مَعرِفَة دِينِ الإِسلاَمِ وَ مَحَبَتِه۔ (35)

ترجمہ: 'يُولَدُ عَلَى الفِطرَة' سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے دین کا علم لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے" بلکہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ انسان کی فطرت دین اسلام کی معرفت اور اس کی محبت کا تقاضا کرتی ہے۔

اسی فرمانِ نبوی ﷺ کی ایک اور روایت میں فطرتِ اسلام بھی آیا ہے۔ یوں بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نومولود کو اس کے ماں باپ مسلمان بنا دیتے ہیں بلکہ وہ پہلے ہی اللہ کی تخلیق کے مطابق اپنی فطرتِ حقیقی یعنی اسلام پر ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فطرت کو اس طرح بیان فرمایا:

عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَة: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَة وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَة۔ (36)

ترجمہ: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کو کاٹنا، ڈاڑھی کو چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخنوں کو کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کا خلال کرنا، بغل کے بال اکھیڑنا، زیر ناف کے بال مونڈنا اور استنجا کرنا۔ زکریا نے کہا کہ مصعب نے کہا کہ میں دسویں چیز بھول گیا اور میرا خیال ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔

اس حدیث میں ڈاڑھی رکھنے کو فطرت قرار دیا گیا ہے۔ تمام انبیا کی ڈاڑھی تھی، اس لحاظ سے ڈاڑھی انسانی فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انبیا کی سنت بھی ہے۔ نسلِ انسانی کی بقا کیلئے جنس مخالف سے جنسی خواہش شرعی حدود میں رہ کر پوری کرنا فطری میلان ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی ہم جنس سے (سحاق) یا مرد اپنی ہی جنس (عمل قوم لوط) سے شہوانی خواہش پوری کرے گا تو وہ نا صرف امراض کا شکار ہو گا بلکہ وبائی اور فکری انتشار وعذاب کا موجب ہو گا، نسل انسانی کی بقا کیلئے خطرہ بنے گا اور تکریم انسانیت کیخلاف مجرمانہ عمل کا مرتکب قرار پائے گا۔ ایسے عادی شخص کیلئے اسلام نے موت کی سزا مقرر کی ہے اور غیر عادی کیلئے قید اور کوڑوں کی سزا ہے۔

انسان کی فطرت اسلام کے مطابق ہے اور ہمارے پاس اپنی فطرت کو پہچاننے کا مستند ذریعہ شریعت الٰہیہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اسلام کے مطابق ہر انسان فطرت کا امین ہے۔ اس لیے اسے دیگر مخلوقات کے ساتھ ہم آہنگی بنائے رکھنی چاہیے۔ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) ہے، لہٰذا اسے خدائی احکامات کی پابندی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا رب ہے، بطور نائب انسان کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ حتی المقدور قدرتی ماحول کی بقا اور نمو کے لیے کوشاں رہے۔ اگر انسان فطری ماحول کے تحفظ و بقا کی جانب سے بے پرواہو جاتا ہے تو وہ اپنی اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوگا، جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ، تمھارے لیے مسخّر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے، اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اسی کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے'' یہاں لفظ 'مسخر' سے مراد صرف فطرت پر فتح پانا نہیں ہے، جیسا کہ کچھ مسلم افراد نے دعویٰ کیا ہے، بلکہ اس کے معانی فطرت پر تسلّط کے ہیں، اور تسلّط بھی بے قید نہیں بلکہ خدائی ہدایات کے تابع ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان اس زمین پر خدا کا خلیفہ ہے اور اسے حاصل اختیار، دراصل خدائی عطیہ ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔﴾[37]

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکم الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لیے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں انسان کو ماحول اور اس میں موجود اشیاء کی اہمیت اور ان پر انسانی تسخیر کے اشارات بیان فرمائے گئے ہیں۔ شارع انسان کو ان مظاہر فطرت کی تسخیر اور غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے اور واضح فرما رہا ہے کہ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں۔ ماحول کی تباہی اور بربادی کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی بات خطرناک نہیں ہو سکتی کہ انسان فطرت پر اپنے تصرّف کو خدائی ہدایات سے بے نیاز ہو کر استعمال کرے۔ انسان کو بذات خود کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسے جو کچھ اختیارات ملے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ خواہ یہ اختیار اسے اپنے نفس پر ہو یا اس کائنات پر، کیونکہ وہ ان میں سے کسی کا خالق نہیں ہے۔ اس لیے اس کو خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے ہی ان اختیارات کا ذمّہ دارانہ استعمال کرنا چاہیے۔ جہاں انسان آباد ہوں وہاں انسانی ضروریات کی تکمیل اور مضرت آمیز چیزوں اور عوامل کا سدباب کیا جائے۔ وہ چیزیں جو انسانی صحت، انسانی معاشرے اور بقا کیلئے مضر ہوں ان کو ختم کیا جائے اور ان کی افزائش روکی جائے، منشیات کی کاشت و صناعی روکنا اور ان کی مارکیٹنگ پر پابندی لگانا ضروری ہے۔ ہوا، پانی اور خوراک انسانی ضروریات زندگی ہیں، ہوا کے تحفظ اور صفائی کیلئے درختوں، پھولوں، پودوں اور فصلوں کی افزائش اور تحفظ ضروری ہے۔ یہ سب کا بنیادی فرض ہے کہ وہ ان چیزوں کا تحفظ کریں۔ خوراک کیلئے پھل، سبزیاں اور فصلیں ہر انسان کی ضرورت

ہیں اس لیے ان کا تحفظ شریعت نے سب پر لازم قرار دیا۔ قرآن وسنت میں جابجاماحولیات کے تحفظ اور حسن فطرت کی ترغیبات پر مبنی آیات واحادیث موجود ہیں۔ فطرت کے تحفظ کیلئے قوانین اور ہدایات دی گئی ہیں جس میں اجتماعی مفاد اور حسن فطرت کا تحفظ یقینی بنانے کی ہر کوشش کا حکم دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر احمد بن یوسف الدرویش کی کتاب ''ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ فقہ اسلامی کی روشنی ''میں بڑی جامع معلومات پر مبنی کتاب ہے۔

۷۔ حفظ نظم معاشرہ

معاشرہ افراد کے ایک ایسے مجموعے کو کہا جاتا ہے کہ جنکی بنیادی ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے مربوط ہوں اور معاشرے کی تعریف کے مطابق یہ لازمی نہیں کہ انکا تعلق ایک ہی قوم یا ایک ہی مذہب سے ہو۔ جب کسی خاص قوم یا مذہب کی تاریخ کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو پھر عام طور پر اسکے نام کا معاشرے کے ساتھ اضافہ کردیا جاتا ہے جیسے مغربی معاشرہ یا اسلامی معاشرہ۔ اسلام میں مشترکہ بنیادی ضروریات زندگی کہ اس تصور کو مزید وسعت دے کر بھائی چارے اور فلاح و بہبود کے معاشرے کا تصور دیا گیا ہے۔ قرآنی تصور، ایک ایسا تصور ہے کہ جس کے مقابل معاشرے کی تمام لغوی تعریفیں اپنی چمک کھو دیتی ہیں۔ قرآن کریم میں اسی تصور کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے کہ معاشرہ کیا ہے یا کیسا ہونا چاہئے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔﴾ (38)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

اس قرآنی تصور سے ایک ایسا معاشرہ بنانے کی جانب راہ کھلتی ہے کہ جہاں معاشرے کے بنیادی تصور کے مطابق تمام افراد کو بنیادی ضروریات زندگی بھی میسر ہوں اور ذہنی آسودگی بھی۔ اور کسی بھی انسانی معاشرے کو اس وقت تک ایک اچھا معاشرہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تک اس کے ہر فرد کو مساوی انسان نہ سمجھا جائے، اور ایک کمزور کو بھی وہی انسانی حقوق حاصل نہ ہوں جو ایک طاقتور کے پاس ہوں، خواہ یہ کمزوری طبیعی ہو یا مالیاتی یا کسی اور قسم کی، اسلام نے معاشرتی نظم کیلئے خاندان اور قبیلے کا تصور دیا اور حقوق و فرائض اور معاملات کے باب میں نظم معاشرہ کے قیام کا باقاعدہ نظام دیا۔ نکاح سے شروع ہونے والا بنیادی معاشرتی ڈھانچہ خاندان، خاندان کی کفالت، سکون ورحمت، تنظیم خاندان سے نظم معاشرہ اور بالآخر نظم مملکت تک جا پہنچتا ہے۔ نکاح سے ایک نیا خاندان بنتا ہے جہاں والدین، رشتہ دار، اولاد، کنبہ اور قبیلہ بنتا ہے جسے خونی رشتوں کے بندھن میں پرو کر ایک نظم قائم ہوتا ہے جس کے شریعت نے احکامات دیے اور ان کے اصول و قوانین بیان فرمائے۔ اس نظم کو قائم رکھنے کیلئے حقوق و فرائض بیان کئے جن میں بیوی کے حق مہر سے نان نفقہ اور بچے کی پیدائش سے تعلیم تربیت اور وراثت تک کے احکامات ارشاد فرما کر نظم معاشرہ کی پہلی بنیاد کو مضبوط کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے جائز کاموں میں طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا اور جائز بھی رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق سے نظم معاشرہ میں وقتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے جو اولاد، خاندان، افراد معاشرہ کو کچھ وقت کیلئے مشکلات میں ڈالتا ہے۔ جائز اسلیے رکھا کہ اگر مزاج کی ہم آہنگی ممکن نہ رہے تو تعلق توڑ کر نیا تعلق بنایا جائے اور زندگی کو از سر نو استوار کیا جاسکے۔ عدم جواز کی صورت میں تلخیاں اور بگاڑ زیادہ ہو سکتا تھا جس سے خاندان، معاشرہ اور نسل سبھی متاثر ہوتے۔ خاندان مل کر قبیلہ بناتے ہیں جو کہ انسانوں کا تعارف ہیں۔ قبائل مل کر معاشرہ بناتے ہیں اور معاشرے باہمی اتفاق سے مملکت وجود میں لاتے ہیں۔ شریعت نے نظم معاشرہ کیلئے امارت اور خلافت کا تصور دیا جو کہ معاشرہ کیلئے ایک مکمل نظام ہے۔ جو عوامل نظم معاشرہ میں رکاوٹ ڈالیں ان کے سدباب کو واجب قرار دیا۔

نظم معاشرہ کیلئے بغاوت کی سزا موت اور خروج پر قتال و جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ معاشرے میں بگاڑ پیدا کریں، مسلح بغاوت کریں، دین میں نظریاتی اختلاف کی بنا پر دوسرے مسلمانوں کی تکفیر کریں، امن معاشرہ کو تباہ کرنے کی کوشش کریں ان کیخلاف شریعت نے جہاد کا حکم دیا ہے۔ جس کی مثالیں خلافت راشدہ اور زمانہ نبوّت سے اظہر من الشمس ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اس حدیث سے نظم معاشرہ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے:

> قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔[39]
>
> ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے امیر سے کوئی ایسی چیز دیکھی جو اس کو ناپسند ہو تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے اس لیے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت جدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسلام نے معاشرتی نظم قائم کرنے کیلئے باقاعدہ نظام عدل دیّا اور معاشرتی امن کے تحفظ اور بقا کیلئے ہر ممکن اقدامات کا حکم اور راہنمائی مہیا کی ہے۔ اسلام انسان کی انفرادی زندگی میں نظم وضبط کا حکم دیتا ہے اور نماز سے نظم وضبط کی تربیت کا آغاز کرتا ہے اور اجتماعیت میں نظام عدل اور قیام امن کے اقدامات کی اجتماعی کوششوں اور نظام تک مکمل نظم وضبط کی تلقین کرتا ہے۔ شریعت کا مقصد ہی انسانیت کو ایک دائرے اور ضابطے کے اندر رکھنا ہے جس کی تکمیل کے احکامات واضح انداز میں موجود ہیں۔ اس موضوع پر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی "اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات" اور "اسلامی ریاست" بڑی مفید کتب ہیں۔

۸۔ قیامِ خلافت (بہترین نظامِ مملکت)

شورائی نظامِ حکومت دین اسلام کا خاصہ اور بہترین نظام مملکت کا نادر نمونہ ہے جس میں افراد معاشرہ کی آزادی، خود مختاری، نبیادی حقوق کا تحفظ اور بیان کردہ مقاصد شریعت کا تحفظ و ترویج ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ دور حاضر کے دین بیزار عناصر اور اسلام دشمن قوتوں کو اسلامی نظام اور قیام خلافت کے مطالبے سے چڑ ہے اور وہ ایسی ہر آواز کو دبانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں جو نظام اسلام کی بات کرے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے خلافت کے قیام کو صرف حدود تعزیرات اور تعبّدات میں سختی کے رواج تک محدود کر دیّا ہے۔ حالانکہ یہ امور خلافتِ راشدہ اور منہج نبوّت کے مطابق خلافت کے تکمیلی امور ہیں، ابتدائی امور میں سے نہیں۔

ہمیں ابتدائی امور سے آغاز کرنا ہے جس میں بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ، افراد معاشرہ کی معاشی و معاشرتی تربیّت و کفالت، بہترین نظم مملکت (گڈ گورننس)، شورائیت پر مبنی انتظامی نظام اور بہترین نظام احتساب وعدل کا قیام ہے۔ یہ وہ بنیادی امور ہیں جن کی انجام دہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو دین سے نوازا، انبیاء کو مبعوث فرمایا اور آسمانی ہدایت پر مبنی صحائف نازل فرمائے۔ ان امور کی انجام دہی کے بعد نظم معاشرہ کو قائم رکھنے اور امن عامہ کی بحالی کیلئے نظام حدود و تعزیرات نافذ کرنے کا حکم دیا گیا۔

شریعت اسلامی ہر انسان کیلئے تا قیام قیامت ایک مینارہِ نور وہدایت ہے۔ یہ ہماری کم فہمی، کمزور حکمت عملی اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ ہم اس وقت تک کسی بہترین اسلامی ریاست کا ماڈل دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ناکام ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے وہ نمونہ قائم کرکے دنیا کو دکھایا جسے آج تک تاریخ انسانی حیرت سے دیکھتی، پڑھتی اور اس سے راہنمائی حاصل کرتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک کی پالیسی کو دیکھا جائے تو ان کے بنیادی قوانین اسلامی نظام ریاست وحکومت سے ماخوذ ہیں۔[40]

دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور دین کے نمائندہ ہونے کے دعویداروں نے اسلام کو فقط مساجد کے اندر ممبر پر گرجنے برسنے اور وعیدات تک محدود کردیا ہے۔ جب اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا دین مساجد اور کتب خانوں سے نکل کر گلی محلوں میں پہنچے گا ان شا اللہ نظام خلافت قائم ہونے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ دین کی منشا یہ ہے کہ کوئی پڑوس میں بھوکا نہ سوئے، کوئی بے گھر نہ رہے اور کوئی غربت و افلاس کا شکار نہ ہو۔ جب یہ بنیادی امور مکمل ہو جائیں تب دعوت دین اور تبلیغ دین کا عمل شروع کیا جائے۔ کَادَ الفَقرُ اَن یَکُونَ کُفراً[41] کا فلسفہ بیان تو کیا جاتا ہے لیکن جس دن اس کی حقیقت سمجھ کر دین کی ترویج کی کوشش کی جائے گی یقیناً ہر آسودہ حال دین کی دعوت سنے گا اور دین کو اپنا شعار بنائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قیام خلافت اور نظام اسلامی کی حقیقی تعبیر و تشریح دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو اپنا جانشین اور نائب بنایا ہے اور جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کرنا چاہی تو انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْأَرْضِ خَلِیْفَةً ۔﴾[42]

ترجمہ: یقینا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

امام قرطبیؒ (671ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ہٰذِہ الآیۃُ اَصْلٌ فِی نَصْبِ اِمامٍ وَخَلَیفۃ یُسْمَعُ لہُ ویُطَاعُ لتجتمع بہ الکلمۃ وتنْفَذُ بِہ احکام الخَلِیْفَۃِ ولا خلافَ فِی وُجُوبِ ذٰلِکَ بَیْنَ الأمۃولَابَیْنَ الأئمۃ۔ [43]
>
> ترجمہ: یہ آیت امام و خلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسا امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ کلمہ (اسلام کی شیرازہ بندی) اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امت اور آئمہ میں خلیفہ کے تقرر کے واجب (فرض کفایہ) ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَطِیْعُوْا اللہَ وَأَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ۔﴾[44]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں۔

اس آیت میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولی الامر کے وجود کے بغیر اطاعت اولی الامر کا تصور ناممکن ہے۔ جس شخص کا وجود ہی نہیں اس کی اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس طرح کی اطاعت کا حکم نہیں دیتے اور جس کا وجود مندوب ہو اس کی اطاعت کی فرضیت کا حکم نہیں دیتے۔ لہٰذا اطاعت اولی الامر کی فرضیت سے اولی الامر کے تقرر کی فرضیت مقتضائے نص ہے۔

علّامہ تفتازانی اقامتِ خلافت کی فرضیت کے دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الرَّابِع ، وُجُوبَ طَاعَتِهِ وَ مَعرِفَتِهِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَةِ وَہُوَ يَقضِى وُجُوبَ حُصُولِهِ وَذٰلِكَ نِصۡبُه"۔(45)

ترجمہ: (امام کے تقرر کی فرضیت کی) چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت کے مطابق اس کی اطاعت اور معرفت واجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس (امام) کا حصول واجب ہے اور یہی اس کا نصاب (تقرری) ہے۔

اسی طرح امام ابن حزم الظاہری مندرجہ بالا آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں:

القُرآنُ وَالسُّنَة قَد وَرَدَا بِإيجَابِ الإمَام من ذٰلِكَ قَولُ الله تَعَالٰى (أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الَّرسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُم) مَع اَحادِيثِ كَثِيرَة صِحَاح فِى طَاعَةِ الأَمَّةِ وإيجَابِ الإِمَامَة ۔(46)

ترجمہ: قرآن اور سنت میں امام کے وجوب کا حکم آیا ہے۔ انہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں، اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث بھی امت کی طاعت اور امامت کے وجوب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

فطرت کا اصول ہے کہ انسانوں کے اجتماع سے کوئی نہ کوئی نظام قائم ہوتا ہے۔ جس کے اندر اولوالامر یعنی رئیس اور حکمران کا ہونا لازم ہے۔ مسلمان اس فطری اصول سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس فطری تقاضا کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اسی کی طرف مذکورہ آیت میں "منکم" سے اشارہ کیا گیا ہے کہ تم میں سے جو صاحب حکم ہے تم اس کی اطاعت کرو۔ امام ابن تیمیہ اس فطری اصول کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"فَاِن بَنِى آدَم لاَتَتمَّ مَصلِحَتِهم اِلَّا بِالاِجتِمَاع لِحَاجَةِ بَعضِهِم اِلٰى بَعض وَلَابَدّ لَہُم عِندَالاِجتِمَاع مِن رَائِس۔"(47)

ترجمہ: انسانیت کے مصالح اجتماع (اجتماعی نظام) کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ بعض دوسرے بعض کے محتاج ہیں اور اجتماع میں ان کے لیے ایک رئیس (حاکم) کا ہونا ضروری ہے۔

مذکورہ اقتباس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حکمران یعنی امام اور خلیفہ کا تقرر فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اس موضوع ابن حزم کی کتاب المحلی اور ابو یعلیٰ کی احکام السلطانیہ میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِخَوْفِهِمْ اَمْناً۔ ﴾ [48]

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو حکمران بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس دین کو ان کے لیے مستحکم کر دے گا اور اس وقت دشمن کا جو خوف ان کو لاحق ہے، ان کے اس خوف کو امن سے بدل دے گا۔

امام فخر الدین الرازی (۶۰۶ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ا یٓ اَلَّذِینَ جَمَعُوا بَینَ الاِیمَانِ وَالعَمَلِ الصَّالِحِ اَن یَستَخلِفَہُم فِی الاَرضِ فَیَجعَلَہُم الخُلَفَاء وَالغَالِبِینِ وَالمَالِکِین کَمَا اِستَخلَفَ عَلَیہَا مِن قَبلِہِم فِی زَمَن دَاوٗدَ وَسُلَیمَانَ عَلَیہِمَا السَّلَام وَغَیرَہُمَا۔[49]

ترجمہ: یعنی جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، انہیں زمین میں نائب کرے گا پس انہیں خلیفہ ،غالب اور (زمین کا) مالک بنائے گا جیسا کہ داو'د اور سلیمان علیہما السلام اور دیگر کے زمانے میں بنایا تھا۔

آگے چل کر اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَأذَن المُرَاد بَعدَ الاِستِخلَافِ طَرِیقَۃُ الاِمَامَۃ۔[50]

ترجمہ: پس استخلاف سے مراد امامت (خلافت) کا طریق ہے۔

ہر دین، ہر فکر، ہر فلسفے اور نظریے کی ترویج اور نفاذ کیلئے ریاست اور قوت نافذہ کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ آدم علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت تک ہر دور میں دین کو وقت کی حکمران و مقتدر قوتوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو بھی حکومت و خلافت عطا فرمائی اور جو اس کے دین اور شریعت پر کاملیت سے عمل پیرا ہوں ان سے اللہ نے حکومت و اختیار کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ شریعت اسلام میں ریاست مدینہ اور مابعد خلافت راشدہ اس کی بیّن دلیل ہیں۔ اسلام کی ترویج اور قیام شریعت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ قائم فرما کر امت کو قوت نافذہ حاصل کرنے اور مابعد خلافت کے قیام سے اس قوّت کے استعمال اور اقامت دین کی عملی تعلیم دی اور مسلمانوں پر لازم قرار دیا کہ وہ خلافت کے قیام کیلئے عملی جدوجہد کریں۔ قیام خلافت اور اسلامی نظام مملکت پر ابن تیمیہ کی کتاب "السّیاسۃ الشّرعیّۃ فی احکام الرّاعی والرّعیّہ" میں مفصل بحث موجود ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾[51]

ترجمہ: یہ اہل حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار و حکومت کا اصلی مقصد کیا تھا؟ فرمایا ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو کیا کریں گے؟ یعنی تمکن فی الارض کو کن مقاصد کے لیے کام میں لائیں گے؟ اس لیے کہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں اور ظلم و بد عملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے۔ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا۔ صرف قیام صلوۃ اور ایتائے زکوۃ کا ذکر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں۔ جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ قیام صلوٰۃ ایک باقاعدہ نظام ہے جو انسانی معاشرے کے نظم و ضبط اور پنجگانہ اجتماع کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جبکہ نظام زکوۃ معاشرتی معاشی مساوات اور استحکام کا ایک جامع اور مضبوط نظام ہے جو معاشرے کے کمزور اور ضرورت مندوں کی کفالت عامہ کیساتھ ساتھ ملکی و معاشرتی ضروریات کی تکمیل کا مستقل ذریعہ ہے۔ اس لیے تمکن فی الارض انہیں کو نصیب ہوتا ہے جو نظم معاشرہ اور ارتقائے معاشرہ کیلئے معاشی پالیسی کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس پر کاربند رہتے ہیں۔"(52)

مغرب کی ترقی کا راز وہ قرآنی اصول ہیں جو انہوں نے اختیار کئے ہیں۔ ہم نے قرآن پڑھنا عین اسلام سمجھا، انہوں نے اسے عملی پالیسی کا حصہ بنایا۔ ہم مجرّد قراءت کرتے رہ گئے اہل مغرب دنیا پر معاشی و اقتصادی حکمرانی کر رہے ہیں۔ فرق صرف عمل و فہم کا ہے ورنہ قرآن تو اہل اسلام کو عطا کیا گیا تھا کہ تم کائنات کی رہبری بھی کرو اور اس کو پڑھو بھی لیکن افسوس کہ ہم پڑھنے تک محدود ہو گئے اور پالیسی نہ بنا سکے، انہوں نے پڑھنے سے انکار کیا اور پالیسی بنالی۔ وہ اخسرین میں سے ہیں جبکہ ہم غافلین میں سے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ تمکّن فی الارض کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صرف ہو، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کہ زمین کا انتظام کس وقت کسے سونپا جائے دراصل اللہ ہی

کے ہاتھ میں ہے۔ مغرور بندے اس غلط فہمی میں ہیں کہ زمین اور اس کے بسنے والوں کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والے وہ خود ہیں۔ مگر جو طاقت ایک ذرا سے بیج کو تناور درخت بنا دیتی ہے اور ایک تناور درخت کو ہیزم سوختنی میں تبدیل کر دیتی ہے، اسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جن کے دبدبے کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہوں کہ بھلا ان کو کون ہلا سکے گا انہیں ایسا گرائے کہ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن جائیں، اور جنہیں دیکھ کر کوئی گمان بھی نہ کر سکتا ہو کہ یہ بھی کبھی اٹھ سکیں گے انہیں ایسا سربلند کرے کہ دنیا میں ان کی عظمت و بزرگی کے ڈنکے بج جائیں۔"[53]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙوَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭاِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭاِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾[54]

ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"یہ اہل حکومت کو خطاب ہے۔ وہ بات بہت اچھی ہے دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں بقاء حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب و ثواب ہے۔"[55]

اسلامی ریاست میں بلا تفریق مذہب و نسل، بلا تفریق رنگ و قبیلہ انسانیت کی کفالت، انسانیت کی بقا و تحفظ کے اقدامات فرض ہیں۔ دین کی ترویج، مردہ زمینوں کی آبادکاری، سرمایہ امت کا تحفظ، سیکولر اور لادین نظریات کا سدِّباب، تعاون و تکافل باہمی ،انصاف اور عدلِ اجتماعی کا قیام اور قیامِ امنِ عالم کی جدوجہد اسلامی ریاست کے لازمی عنصر ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے ریاست کے ذیلی اداروں کے قیام اور اسلامی ریاست کے ذیلی مقاصد کو مقاصد شریعت کا حصہ قرار دیا ہے۔ کفالت و رعیت پر رسول اللہ ﷺ کی بڑی جامع تعلیمات اور ریاست مدینہ میں عملی تربیت کی مثالیں بڑی واضح اور متواتر موجود ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، يَقُولُ: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"، قَالَ: فَسَمِعْتُ هَؤُلَاءِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔[56]

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی امام (خلیفہ) حاکم ہے اس سے اس کی رعیت کی

بابت پوچھ ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، خادم اپنے مالک کے مال میں حکومت رکھتا ہے، اس سے اپنی رعیت کی باز پرس ہوگی، ابن عمر نے کہا کہ میں نے یہ نبی ﷺ سے سنا ہے اور سمجھتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی اپنے باپ کے مال میں صاحب اختیار ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، غرض تم میں سے ہر شخص (ایک طرح کا) حاکم ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

کامیابی اور اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ زندگی کے تمام میدان دینِ اسلام کے مبادی، قواعد و احکام کے زیرِ سایہ آجائیں، کیونکہ اسلام ہی اللہ کا کامل دین ہے اور اس کے ہاں دینِ کامل ہی شرف قبولیت پاتا ہے۔ اگر مسلمان کتاب اللہ کے ایک حصے کو مانیں اور دوسرے کو مسترد کر دیں تو انہیں ذلت، رسوائی، تباہی، خلفشار کمزوری اور اختلافات کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

حاصلِ بحث

الأمور بمقاصدها ،اليقين لا يزول بالشك،الضرر يزال،المشقة تجلب التيسير،العادة محكمة۔[57]

یہ وہ قواعد فقہیہ ہیں جو شریعت کے عمومی مزاج کو واضح کرتے ہیں۔ ان میں پہلا قاعدہ "الامور بمقاصدھا" حدیث مشہور" إنما الأعمال بالنیات"[58] اعمال کا دارو مدار نیّت پر ہے مقاصد شریعت کا سب سے اہم موضوع اور دلیل ہے۔ انسانوں کی اصلاح تب ہی ممکن ہے جب انہیں ان کے مقاصد حاصل ہوں۔ جب ضروریات زندگی میسر ہوں اور فکری و روحانی تحفظ کا یقین ہو تو انسان آزاد اور مطمئن حیثیت سے اپنی ترجیحات کا تعین کرتا ہے اور یہی فکری و روحانی تحفظ اور سکون مہیا کرنا ہی مصلحت ہے۔ یہاں مصلحت سے ہماری مراد شریعت کے مقاصد کی حفاظت ہے۔ مقاصد شریعہ کے ماہر فقہاء کے نزدیک شریعت کے درج ذیل پانچ مقاصد ہیں جنہیں متقدمین نے کلیات خمسہ قرار دیا ہے:

۱۔ حفظِ دین ۲۔ حفظِ نفس ۳۔ حفظِ عقل ۴۔ حفظِ نسل ۵۔ حفظِ مال

ان پانچ مقاصد کے ضمن میں جو چیز بھی آئے گی وہ مصلحت کہلائے گی، ان مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کا ضیاع خرابی اور فساد کا باعث ہوگا اور اس خرابی کو دور کرنا مصلحت ہے۔ کلیات خمسہ میں اضافہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دھلوی (۱۷۶۳ء) نے کفالتِ عامہ، ملکی دفاع، ترقیاتی کام، تعلیم و ترویج دین اور نظام مملکت کی جزئیات کو بھی مقاصد شریعت قرار دیا ہے۔[59] جبکہ جدید نظریہ مقاصد شریعت پیش کرتے ہوئے راقم کی رائے میں درج ذیل مقاصد جس پر کتاب و سنت کے بہت سے دلائل موجود ہیں مقاصد شریعت کی فہرست میں شامل ہیں:

۱۔ حفظ مکارم فطرت ۲۔ حفظ نظم معاشرہ ۳۔ قیام خلافت (گڈ گورنینس)

یہ تین امور وہ التزامی امور ہیں جو امت اور انسانیّت پر انفرادی و اجتماعی طور پر مکمل کرنا لازمی ہیں اور انسانیت کی اجتماعی بقا اور انفرادی فلاح کیلئے بہت ضروری ہیں۔ اجدید نظریہ مقاصدِ شریعت پیش کرتے ہوئے ی امید واثق ہے کہ محققین کے لیے یہ مقاصد

ثلاثہ تحقیق کے نئے در واکریں گے اور طلبہ کے لیے نئے تحقیقی عنوان کا اضافہ ہو گا۔ ان شااللہ مقاصد شریعت کا یہ جدید نظریہ عصر حاضر کے جدید فقہی بیانئے میں ایک خوبصورت باب بنے گا اور قابل عمل تحقیقی موضوعات متعارف کروانے کا موجب بنے گا۔

All Rights Reserved © 2024 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات وحواشی

1 ۔ المومنون:۲۳/۱۱۵

Al-Muʾminūn: 23:115

2 ۔ الدّخان:۴۴/۳۸

Al-Dukhān: 44:38

3 ۔ آل عمران:۳/۱۹۱

Āl ʿImrān: 3:191

4 ۔ الحدید:۵۷/۲۵

Al-Ḥadīd: 57:25

5 ۔ آل عمران:۳/۱۹

Āl ʿImrān: 3:19

6 ۔ الشوریٰ:۴۲/۱۳

Al-Shūrā: 42:13

7 ۔ قواعد الاحکام فی مصالح الانام، عز بن عبد السلام، مطبعہ حسینیہ، قاہرہ، ۱۹۳۴ء، ج ا ص ۸۳۔

Qawāʿid al-Aḥkām fī Maṣāliḥ al-Anām, ʿIzz ibn ʿAbd al-Salām, Maṭbaʿah Ḥusainiyyah, Cairo, 1934, vol. 1, p. 83.

8 ۔ المغنی، قاضی عبد الجبار، مکتبہ اہل البیت، قم، ایران، ج ا ص ۳۹۔

Al-Mughnī, Qāḍī ʿAbd al-Jabbār, Maktabat Ahl al-Bayt, Qum, Iran, vol. 1, p. 39.

9 ۔ الأحکام فی اصول الاحکام، ابن حزم، دار الفکر، بیروت، ص ۲۱۳۔

Al-Aḥkām fī Uṣūl al-Aḥkām, Ibn Ḥazm, Dār al-Fikr, Beirut, p. 213.

4۔ "الاحکام فی اصول الاحکام" ابو الحسن سید الدین الآمدی, دار الفکر، قاہرہ۔1995ء۔ ج ا ص ۸۳۔

Al-Aḥkām fī Uṣūl al-Aḥkām, Abū al-Ḥasan Sayf al-Dīn al-Āmidī, Dār al-Fikr, Cairo, 1995, vol. 1, p. 83.

11 ۔ الموافقات، للشاطبیؒ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ لاہور. ج ۲، ص ۱۶۸؛ نظریۃ المقاصد عند الشاطبی، احمد الریسونی ص ۷

Al-Muwāfaqāt, al-Shāṭibī, Markaz Taḥqīq Dayal Singh Trust Library, Nisbat Road, Lahore, vol. 2, p. 168; Naẓariyyat al-Maqāṣid ʿinda al-Shāṭibī, Aḥmad al-Raysūnī, p. 7.

12 ۔ مقاصد شریعہ الاسلامیہ، ابن عاشور، الشرکۃ التونسیہ للتوزیع، تیونس، ص ۵۶-۶۰۔

Maqāṣid al-Sharīʿah al-Islāmiyyah, Ibn ʿĀshūr, al-Sharikah al-Tūnisiyyah li-Tawzīʿ, Tunis, pp. 56, 60.

13 ۔ المستصفی، محمد الغزالی، ج ا ص ۲۸۷، طبع قاہرہ، الموافقات، شاطبی، ج ۲ ص ۲۲۸۔ شفاء الغلیل، محمد الغزالی، ۱۵۹۔

Al-Mustaṣfā, Muḥammad al-Ghazālī, vol. 1, p. 287, Cairo; Al-Muwāfaqāt, al-Shāṭibī, vol. 2, p. 228; Shifāʾ al-Ghalīl, Muḥammad al-Ghazālī, p. 159.

14 ۔ اعلام الموقعین، ابن القیّم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء طبع اول، ج ۳ ص ۲۔

Iʿlām al-Muwaqqiʿīn, Ibn al-Qayyim, Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, Beirut, 1991, first edition, vol. 3, p. 2.

15 ۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دھلوی، دار المعرفہ بیروت، ج ۲ ص ۱۷۷۔

Ḥujjat Allāh al-Bālighah, Shāh Walī Allāh al-Dihlawī, Dār al-Maʿrifah, Beirut, vol. 2, p. 177.

16 ۔ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین الجوینی، قطر ۱۴۰۱ھ، ص ۱۸۱۔

Ghiyāth al-Umam fī Iltiyāth al-Ẓulam, Imām al-Ḥaramayn al-Juwaynī, Qatar, 1401 AH, p. 181.

17 ۔ ایضاً، ص ۲۳۲۔

Ibid, pg 232

18 ۔ ایضاً، ص ۲۳۷

Ibid, pg 237

19 ۔ المستصفٰی فی اصول الفقہ، ابو حامد الغزالی، مکتبہ امیریہ بولاق، قطر، ص ۱۔

Al-Mustaṣfā fī Uṣūl al-Fiqh, Abū Ḥāmid al-Ghazālī, Maktabah Amīriyyah Būlāq, Qatar, p. 1.

20 ۔ ایضاً، ۱/۳۰۹۔

Ibid,volume 1 pg 309

21 ۔ امام مالک، ابو زہرہ، دار الفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۷۹ء ص ۲۷۔

Imām Mālik, Abū Zahrah, Dār al-Fikr al-ʿArabī, Cairo, 1979, p. 27

22 ۔ ابو حنیفہ، ابو زہرہ، دار الفکر العربی قاہرہ، ۱۹۷۹ء، ص ۳۸۔

Abū Ḥanīfah, Abū Zahrah, Dār al-Fikr al-ʿArabī, Cairo, 1979, p. 38

23 ۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل، ابن تیمیّہ ج ۴، ص ۱۷۴، دار العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء

Majmūʿat al-Rasāʾil wa-l-Masāʾil, Ibn Taymiyyah, vol. 4, p. 174, Dār al-ʿIlmiyyah, Beirut, 1983.

24 ۔ مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، طاہر ابن عاشورؒ، ص ۷۸

Maqāṣid al-Sharīʿah al-Islāmiyyah, Ṭāhir Ibn ʿĀshūr, p. 78.

25 ۔ کتاب الدین، ڈاکٹر عبد اللہ دراز، ۹، المرآۃ فی الاصول، ج ا ص ۱۱۔

Kitāb al-Dīn, Dr. ʿAbd Allāh Darāz, p. 9.

26 ۔ لسان العرب، ابن منظور، ج ۸ ص ۱۷۵

Lisan ul Arab by Ibn e Mazoor Valume 8 pg 175.

27 ۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، ج ا ص ۱۲۹۔

Umdat ul Qari Sherh Sahi al Bukhari, Fareed book stal Urdu Bazar Lahore,volume 1 pg 129.

28 ۔ السارم المسلول علٰی شاتم الرّسول، ابن تیمیہ، دار الکتب لبنان۔ ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۷۔

Al-Ṣārim al-Maslūl ʿalā Shātim al-Rasūl, Ibn Taymiyyah, Dār al-Kutub, Lebanon, 1998, p. 167.

29 ۔ فقہ الجہاد، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، المنتدی للوسطیہ، لیکچر ۸، شریعہ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

Fiqh al-Jihād, Dr. Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Muntadā li-l-Wasaṭiyyah, Lecture 8, Sharīʿah Academy, Islamic University, Islamabad, October 2009.

30 ۔الاحکام، ابو العباس احمد بن ادریس قرافی، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۷۔

Al-Aḥkām, Abū al-ʿAbbās Aḥmad, al-Qarāfī, Sharīʿah Academy, Islamabad, 2011, p. 107.

31 ۔احکام السلطانیہ، الماوردی، ص ۲۳۴۔

Aḥkām al-Sulṭāniyyah, al-Māwardī, p. 234.

32 ۔عقائد النسفیہ، نسفی، ج ا ص ۳۹، ۲۷، المستصفیٰ، غزالی، ص ۳۵۳

ʿAqāʾid al-Nasafiyyah, al-Nasafī, vol. 1, pp. 27, 39.

33 ۔الرّوم: ۳۰/۳۰

Al-Rūm: 30:30

34 ۔الجامع الصحیح للبخاری: جلد اول کتاب الجنائز: حدیث نمبر ۱۲۹۷، حدیث صحیح

Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ li-l-Bukhārī, vol. 1, Kitāb al-Janāʾiz, ḥadīth no. 1297.

35 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۲، حدیث صحیح

Ṣaḥīḥ al-Bukhārī maʿ Fatḥ al-Bārī, Kitāb al-Libās, Bāb Qaṣ al-Shārib, vol. 2, ṣaḥīḥ ḥadīth

36 ۔الجامع الصحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، حدیث نمبر ۲۶۱، حدیث صحیح

Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ li-Muslim, Kitāb al-Ṭahārah, Bāb Khaṣāl al-Fiṭrah, ḥadīth no. 261.

جامع ترمذی، کتاب الادب الاجازہ، حدیث نمبر ۶۷۲، جلد دوم، حدیث صحیح۔

Jāmiʿ al-Tirmidhī, Kitāb al-Adab, ḥadīth no. 672, vol. 2, ṣaḥīḥ ḥadīth.

37 ۔البقرۃ: ۱۶۴/۲

Al-Baqarah: 2:164

38 ۔ آل عمران: ۱۱۰/۳

Āl ʿImrān: 3:110

39 ۔الجامع الصحیح للبخاری، جلد سوم، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۲۰۵۶، حدیث صحیح۔

Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ li-l-Bukhārī, vol. 3, Kitāb al-Aḥkām, ḥadīth no. 2056.

[40]۔امریکن اسلامک جیورسٹس کونسل، رپورٹ ۲۰۰۳ء، رشین فنانس بل bhatkallys.نیوز، ۲۴ اپریل، ۲۰۱۵ء۔

American Islamic Jurists Council, Report 2003, Russian Finance Bill, Bhatkallys News, April 24, 2015.

[41]۔مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: حدیث نمبر ۸۵۰، حدیث صحیح

Mishkāt al-Maṣābīḥ, vol. 2, ḥadīth no. 850, ṣaḥīḥ ḥadīth.

42 ۔البقرۃ: ۳۰/۲

Al-Baqarah: 2:30

43 ۔الجامع لاحکام القرآن، تفسیر القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر شمس الدین القرطبی، دار الکتب المصریہ، قاھرۃ، طبع دوم، ۱۹۶۴ء، ج ا ص ۲۵۱۔

Al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān, al-Qurṭubī, Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, Cairo, 2nd ed., 1964, vol. 1, p. 251.

44 ۔النساء: ۵۹/۴

Al-Nisāʾ: 4:59

45 ۔ شرح المقاصد فی علم الکلام، سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (۷۹۱ھ) دار المعارف النعمانیہ، ۱۹۸۱ء، ج ۵ ص ۲۳۵۔

Sharḥ al-Maqāṣid fī ʿIlm al-Kalām, Saʿd al-Dīn Masʿūd ibn ʿUmar al-Taftāzānī, Dār al-Maʿārif al-Nuʿmāniyyah, 1981, vol. 5, p. 235.

46 ۔ الفصل، ابن حزم ظاہری، ج ۴ ص ۱۳۹۔

Al-Faṣl, Ibn Ḥazm al-Ẓāhirī, vol. 4, p. 139.

47 ۔ مجموعہ فتاوٰی لابن تیمیہ، ج ۲۸ ص ۲۹۰

Majmūʿ Fatāwā Ibn Taymiyyah, vol. 28, p. 290.

48 ۔ النور: ۲۴/۵۵

Al-Nūr: 24:55.

49 ۔ التفسیر الکبیر، فخر الدّین الرازی، ج ۸ ص ۴۱۲

Al-Tafsīr al-Kabīr, Fakhr al-Dīn al-Rāzī, vol. 8, pp. 412.

50 ۔ التفسیر الکبیر، فخر الدّین الرازی، ج ۸ ص ۴۱۳

Al-Tafsīr al-Kabīr, Fakhr al-Dīn al-Rāzī, vol. 8, pp. 413.

51 ۔ الحج: ۲۲/۴۱

Al-Ḥajj: 22:41

52 ۔ تفسیر ترجمان القرآن، مولانا ابو الکلام آزاد، ساہتیہ اکیڈمی، سوامی بلڈنگ، نئی دہلی انڈیا، طبع سوم، ۱۹۸۹ء، ج ۳ ص ۲۴۵۔

Tafsīr Tarjumān al-Qurʾān, Mawlānā Abū al-Kalām Āzād, Sāhitīyah Academy, New Delhi, 3rd ed., 1989, vol. 3, p. 245.

53 ۔ تفہیم القرآن، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۳ ص ۱۸، حاشیہ ۸-۹ الحج

Tafhīm al-Qurʾān, Mawlānā Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Idārat Islāmiyyāt, Lahore, vol. 3, p. 18, ḥāshiyah 8, 9, Al-Ḥajj.

54 ۔ النساء: ۴/۵۸

Al-Nisāʾ: 4:58

55 ۔ تفسیر بیان القرآن، اشرف علی تھانوی، ادارہ اسلامیات لاہور، سورۃ الحج، آیت ۱۹ جلد ۳ ص ۲۳۴

Tafsīr Bayān al-Qurʾān, Ashraf ʿAlī Thānawī, Idārat Islāmiyyāt, Lahore, Sūrah Al-Ḥajj, vol. 3, p. 234.

56 ۔ الجامع الصحیح للبخاری، جلد اول، کتاب الدّین: حدیث نمبر ۲۳۰۶، حدیث صحیح

Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ li-l-Bukhārī, vol. 1, Kitāb al-Dīn, ḥadīth no. 2306.

57۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص ۹۷

Al-Ashbāh wa-l-Naẓāʾir li-l-Suyūṭī, p. 97.

58۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب بدء الوحی، باب: کیف کان بدء الوحی، حدیث رقم ۱، ومسلم فی کتاب الإمارة، باب، قولہ: إنما الأعمال بالنية، حدیث رقم ۴۹۰۴، حدیث صحیح

Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ li-l-Bukhārī, Kitāb Badʾ al-Waḥy, ḥadīth no. 1, and Muslim, Kitāb al-Imārah, ḥadīth no. 4904

59 ۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دھلوی، دار المعرفہ بیروت، ج ۲ ص ۱۷۷۔

Ḥujjat Allāh al-Bālighah, Shāh Walī Allāh al-Dihlawī, Dār al-Maʿrifah, Beirut, vol. 2, p. 177